فکر و نظر ---- اسلام آباد جلد: ۳۶ شمارہ: ۲

برصغیر میں تفسیر قرآن کا فقہی اسلوب
(چند تفاسیر کی روشنی میں ایک مختصر جائزہ)

محمد یوسف فاروقی ☆

قرآن حکیم رشد و ہدایت کا منبع ہے اور اہل اسلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کتاب ہدایت ہے۔ اس کے مواعظ و حکم، قصص و واقعات، اوامر و نواہی اور اصول و کلیات کو سمجھنے اور ان کی تعبیر و تشریح کی طرف ہمیشہ سے خاص توجہ دی جا رہی ہے، استنباط احکام کے سلسلہ میں فقہاء ہمیشہ پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں، احکام کا تعلق دستور سے ہو یا قانون سے، معیشت سے ہو یا معاشرت سے، سیاست سے ہو یا سلوک و مکارم اخلاق سے، تمام احکام اور قواعد و کلیات کا بنیادی ماخذ قرآن کریم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی علوم میں دلچسپی رکھنے والے اہل علم کے لیے فہم قرآن کو مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے۔ قرآن حکیم کے مضامین پر گہری نظر رکھنا اور آیات قرآنی سے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق احکام کا استنباط کرنا، زبان و بلاغت کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آیات قرآنی کی تشریح کرنا اشارات و دلالات کی نشاندہی کر کے حکم کو متعین کرنا، مجمل و مفسر، خفی و مشکل کی صحیح صحیح تفسیر کرنا اور ان سے مستنبط احکام کی وضاحت کرنا اہل فقہ کا میدان رہا ہے۔

☆ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

فقہاء کی ان علمی کاوشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کریم کی بہت سی فقہی اسلوب میں تفاسیر وجود میں آئیں ، ان میں سب سے مقدم کام امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کا ہے ۔ احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر امام شافعی کی طرف منسوب ہے ، لیکن امام شافعی کا کوئی مخطوطہ اس عنوان سے ہم تک نہیں پہنچا ، البتہ امام بیہقی نے احکام القرآن کے مباحث کو امام شافعی کی کتب سے جمع کر کے کتابی شکل دے دی ہے جو مطبوعہ شکل میں اب موجود ہے ۔

تیسری صدی ہجری کے مشہور فقیہ شیخ ابوالحسن علی بن حجر السعدی (متوفی ۲۴۴ھ) نے بھی فقہی تفسیر لکھی وہ بھی احکام القرآن کے نام سے معروف ہے ، ان کے نقش قدم پر چل کر قاضی ابواسحاق الازدی (متوفی ۲۸۲ھ) نے بھی ایک فقہی تفسیر لکھی جس میں انہوں نے امام مالک کی فقہی آراء اور ان کے فقہی اصولوں کو ملحوظ رکھا ۔ اسی نہج پر ایک اور فقیہ شیخ ابوالحسن علی بن موسیٰ (متوفی ۳۰۵ھ) نے احکام القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی، اس میں فقہ حنفی کے اصولوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، احناف نے اس علم کو مزید آگے بڑھایا اور مشہور حنفی محدث و فقیہ امام جعفر بن محمد الطحاوی(متوفی۳۲۱ھ) نے بھی احکام القرآن کے نام سے تفسیر لکھی۔

اندلس کے فقہاء نے بھی اس فن کی ترویج و ترقی میں حصہ لیا، قرطبہ کے معروف فقیہ شیخ ابو محمد القاسم بن اصبغ(متوفی۳۴۰ھ) نے فقہی تفسیر احکام القرآن مرتب کی۔ اسی خطہ کے ایک اور فقیہ منذر بن سعد البلوطی (متوفی۳۵۵ھ) نے بھی احکام القرآن پر کام کیا، اسی نام سے ان کی تفسیر بھی موجود ہے۔

احکام القرآن کے نام سے یوں تو بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں۔ لیکن فنی لحاظ سے جو مقام و شہرت ابو بکر احمد بن علی الجصاص (متوفی ۳۷۰ھ) کی احکام القرآن کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری احکام القرآن کو حاصل نہیں ہوئی، جصاص حنفی مدرسہ فکر کے مشہور امام ہیں۔

فقہی اسلوب میں جصاص کے بعد شافعی مدرسہ کے فقیہ ابوالحسن علی بن محمد الکیا ہراسی (متوفی۵۰۴ھ) نے احکام القرآن کے نام سے تفسیر مرتب کی، ان کے بعد مالکی مدرسہ کے فقیہ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) نے احکام القرآن مدون کی۔ اندلس کے ایک اور فقیہ شیخ عبدالمنعم بن محمد (متوفی ۵۹۷ھ) نے بھی احکام القرآن کے نام سے فقہی تفسیر مرتب کی۔

سرزمین اندلس کے فقہاء میں سب سے زیادہ مقبولیت ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) کی معروف تفسیر الجامع الاحکام القرآن کو حاصل ہوئی، قرطبی کی یہ تفسیر صرف آیات احکام تک محدود نہیں ہے بلکہ دیگر مفصل تفاسیر کی طرح اس میں بھی ہر قسم کے مسائل و احکام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

برصغیر میں قرآن فہمی کی جانب شروع سے ہی مستحکم رجحان رہا ہے۔ یہاں کے اہل علم عربی زبان پر مکمل عبور رکھتے تھے اور براہ راست عربی زبان سے استفادہ کرتے تھے، اس خطہ کے بے شمار فقہاء و محدثین نے عربی زبان ہی کو ذریعہ اظہار بنایا، دیگر ممالک کے علماء کی جانب سے جو کچھ عربی زبان میں لکھا جاتا تھا یہاں کے علماء اس سے بھرپور استفادہ کرتے تھے۔ فقہی انداز میں جو تفاسیر عام مقبولیت حاصل کر چکی تھیں ان سے یہاں کے علماء بھی واقف تھے اور انہی سے استفادہ کرتے تھے، چنانچہ شروع میں کئی صدیوں تک یہاں کے علماء نے فقہی تفسیر کی کسی نئی تدوین کی طرف توجہ نہیں دی، اس خطہ کے علماء کا زیادہ رجحان فتاوی کی تدوین کی طرف رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی خدمات گرانقدر ہیں۔

برصغیر میں گیارہویں صدی ہجری کے آخر میں فقہی تفاسیر کا آغاز ہوا، شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون (متوفی ۱۱۳۰ھ) غالبًا پہلے فقیہ تھے جنہوں نے فقہی اسلوب میں تفسیر لکھی ان کی تفسیر "التفسیرات الاحمدیه فی بیان الآیات الشرعیه" کے نام سے مشہور ہے، ملا جیون نے فقہی احکام کی وضاحت کے لیے صرف ان آیات کا انتخاب کیا ہے جنہیں متقدمین نے آیات احکام قرار دیا ہے۔ ان کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔

اس تفسیر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے پیش نظر کتب احادیث کے علاوہ ان مفسرین کی تفاسیر رہی ہیں جو معقولات اور علم الاصول پر گہری نظر رکھتے تھے، مثلاً بیضاوی کی انوار التنزیل، النسفی کی مدارک التنزیل، زمخشری کی الکشاف وغیرہ۔ اسی طرح کتب فقہ میں الھدایہ، شرح وقایہ، فتاوی اور مسائل کے لیے ابوالفتح رکن بن حسام کی فتاوی حمادیہ، اصول الفقہ میں فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی کی کتاب کنز الوصول الی معرفہ الاصول، قاضی محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت وغیرہ، کتابوں کے ان حوالوں سے ملاجیون کے رجحان اور انداز استدلال کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ ملاجیون خود علوم عقلیہ کے ماہر ہیں اور ان علوم سے بھرپور استفادہ کر کے مدلل انداز میں اپنی رائے پیش کرتے ہیں۔

ملاجیون نے اپنی تفسیر میں تین قسم کے مسائل کا استنباط کیا ہے، اولاً فقہی مسائل، دوسرے قواعد اصولیہ اور تیسرے کلامی مسائل، شیخ احمد جیون کی نظر صرف ظاہری عبارت تک محدود نہیں رہتی، وہ عبارت، سیاق و سباق اور مفہوم کی گہرائی میں جاکر پوشیدہ نکات کی وضاحت کرتے ہیں، مثال کے طور پر وہ سورہ فاتحہ کے مضامین کی وضاحت کرتے ہوئے اخلاص کو ادائیگی عبادت کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک " ایاك نعبد" سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے دوسرے اس میں اخلاص بھی ضروری ہے۔ اخلاص کا مفہوم سیاق و سباق سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح " صراط الذین انعمت علیهم" سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سبیل المومنین کا اتباع واجب ہے، پھر اسی سے اجماع کی حجیت کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ ملاجیون کا ایک لطیف انداز استدلال ہے۔

فقہاء کے بیان کردہ کلیات کو بھی قرآن حکیم سے ثابت کرتے ہیں، مثلاً یہ کلیہ کہ " الاصل فی الاشیاء الا باحه" اسے قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے ثابت کرتے ہیں" هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (البقره ۲:۲۹)" (اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں سب کچھ انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے) چونکہ ہر چیز انسان کی منفعت کے لیے پیدا کی گئی ہے لہذا وہ ممنوع یا حرام نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے ممنوع ہونے کی

کوئی دلیل موجود نہ ہو، کم از کم مباح کا درجہ اسے ضرور حاصل ہوگا۔ ساتھ ہی ان فقہاء کا رد بھی دلائل کے ساتھ کیا ہے جو اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔

خبر واحد کی حجیت پر سورہ آل عمران کی آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے:

واذ اخذ الله ميثاق الذين اوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه فنبذوه وراء ظهورهم، واشتروا به ثمناً قليلا، فبئس ما يشترون
(آل عمران ۳ : ۱۸۷)

(اور جب اللہ تعالٰی نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے اسے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس کی کسی بات کو نہ چھپانا، تو انہوں نے اللہ تعالٰی کے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا، اور اس کے بدلے بہت تھوڑی قیمت حاصل کی، بہت برا ہے جو کچھ یہ حاصل کر رہے ہیں)

اس آیت مبارکہ کی رو سے اہل علم پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کی وضاحت کریں، صحیح بات کی تعلیم دیں اور کسی فاسد غرض کی وجہ سے اسے نہ چھپائیں علم میں بخل ہرگز جائز نہیں، گو علماء پر علم کی تدریس و تعلیم فرض ہے اور لوگوں پر واجب ہے کہ اس علم کے مطابق عمل کریں، یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ خبر واحد عمل کے حق میں حجت ہے۔

اسی طرح اجتہاد کے ثبوت میں سورہ النساء کی ایک آیت سے بہت لطیف پیرایہ میں استدلال کیا ہے:

" انا انزلنا اليك الكتاب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله "

(النساء ۴ : ۱۰۵)

(اے رسول ﷺ! ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ تعالٰی کی دکھائی ہوئی ہدایت کے مطابق فیصلہ کریں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو علم و بصیرت عطا کیا ہے اسے لوگوں کے مابین فیصلوں میں استعمال کیجیے، لہذا اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ کے لیے اجتہاد کرنا اور بذریعہ اجتہاد فیصلے کرنا جائز ہے۔

ملاجیون بعض ایسے مسائل پر بھی گفتگو کرتے ہیں جن کا انسان کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، مثلاً یہ کہ انسان افضل ہے یا ملائکہ ۔ کتاب اللہ کی آیت مبارکہ :

" ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراہیم وآل عمران علی العٰلمین "
(آل عمران ۳ : ۳۳)

(اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت نوحؑ اور خاندان ابراہیم اور خاندان عمران کو تمام جہانوں کے لوگوں میں منتخب فرمایا)

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے انسان کو ملائکہ پر فضیلت و برتری ثابت کی ہے تفسیرات احمدیہ میں کلامی مباحث بھی جا بجا آتے ہیں، اور قرآنی آیات سے ہی ان کا حکم بیان کرتے ہیں، مثلاً عذاب قبر کو قرآن حکیم کی اس آیت سے ثابت کرتے ہیں :

" النار یعرضون علیھا غدواً و عشیاً " (المومن ۴۰ : ۴۶)

(صبح و شام انہیں آگ (آتش جہنم) پر پیش کیا جاتا ہے)

آیات قرآن کے اسلوب کو مدنظر رکھتے ہوئے ملا جیون فقہی احکام کی درجہ بندی بھی کرتے ہیں، وہ ساتھ ساتھ بتاتے ہیں کہ یہ حکم واجب کا درجہ رکھتا ہے یا سنت و مستحب کا، اسی طرح ممنوعہ احکام میں بھی اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ممانعت حرمت کے درجہ میں ہے یا کراہت کے درجہ میں۔ فقہی نقطہ نگاہ سے دوسری نمایاں تفسیر التفسیر المظہری ہے جس کے مصنف قاضی ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) ہیں۔ قاضی صاحب نے اپنے دور کی دو اہم شخصیتوں سے کسب فیض کیا تھا اس لیے ان کی تفسیر میں ان دونوں کے علوم کی جھلک نظر آتی ہے ۔ پہلی شخصیت شاہ ولی اللہ کی ہے، ان سے قاضی صاحب نے دین کا فہم اور اس کے اسرار کو حاصل کیا۔ تفقہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا

جب تک انسان اپنے تمام حواس کو حصول علم کے لیے وقف نہ کر دے اور ساتھ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا بھی اہتمام کرے اصلاح باطن کے لیے قاضی صاحب نے حضرت خواجہ محمد عابد سنامی اور حضرت مرزا جان جاناں کی خدمت میں رہ کر سلوک کی منزلیں طے کیں۔

تفسیر مظہری کی سب سے نمایاں خصوصیت تو یہی ہے کہ اس میں فقہی احکام پر بحث کی گئی ہے لیکن ملاجیون کے اسلوب سے ہٹ کر یہ مکمل قرآن کریم کی تفسیر کی ہے صرف آیات احکام تک محدود نہیں رکھا گیا۔ اس وقت ہمارے پیش نظر اس کا حرف فقہی پہلو ہے جسے چند مثالوں سے واضح کرنا مقصود ہے تاکہ قارئین کے سامنے اس کا فقہی مقام اجاگر ہو سکے ۔

ملا جیون کی طرح قاضی ثناء اللہ بھی آیات قرآنی سے فقہی احکام اور اصول دونوں کا استنباط کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کریم کی آیت مبارکہ :

"شرع لكم من الدين ما وصّى به نوحا وّالذى اوحينا اليك وما وصىٰ به ابراهيم و موسىٰ و عيسىٰ ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه" (الشوری ۴۲: ۱۳)

(اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جسے اختیار کرنے کا حکم حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جو چیز ہم نے (اے محمد ﷺ) آپ پر بذریعہ وحی نازل کی ہے اور جو حضرت ابراہیم ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل کی تھی وہ یہی ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو"

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں اصولی بحث کرتے ہوئے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ سابقہ کتب میں مذکور احکام ہمارے لیے بھی واجب العمل ہیں، اس لیے کہ وحی کا ماخذ و منبع ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، البتہ سابقہ کتب کے احکام کا ثبوت غور طلب مسئلہ ہے لہذا

سابقہ کتب کے جن احکام کو قرآن کریم نے ذکر کیا ہے ان کا ثبوت تو قطعی ہے، اگرچہ قرآن کریم میں ان کا تذکرہ حکایتاً ہی کیوں نہ ہو۔(۱) لہذا وہ احکام برقرار ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے ۔ البتہ اہل کتاب جو کچھ دعوے کرتے ہیں یا جو احکام و مسائل وہ بیان کرتے ہیں یا جو کچھ ان کی کتابوں میں لکھا ہے اس کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ ان کی کتابیں تحریف شدہ ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوں ان کی بات کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اہل کتاب کے بارے میں قرآن حکیم کی شہادت موجود ہے کہ یہ لوگ خواہشات نفس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وحی کی ہدایت کو بھول چکے ہیں اور کتاب اللہ کے الفاظ و کلمات میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ سنت کو بطور ماخذ حجت تسلیم کرتے ہیں، اور قرآن حکیم میں بیان کردہ احکام و مسائل کی وضاحت کے لیے احادیث نبوی کو کثرت سے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ جہاں ضرورت محسوس ہوتی ہے وہاں براہ راست سنت سے استدلال کرتے ہیں، مثال کے طور پر قرآن کریم میں صرف اس بات کا حکم ہے کہ حج تمتع ادا کرنے والا قربانی بھی دے یہاں وقت کا تعین حدیث سے کرتے ہیں کہ قربانی یوم النحر سے قبل جائز نہیں، قاضی صاحب اپنی رائے کی تائید میں حضرت حفصہؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حج کے موقعہ پر حضرت حفصہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا چیز مانع ہے کہ آپ ہمارے ساتھ احرام نہیں کھول رہے ہیں، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک احرام نہیں کھولوں گا جب تک اپنے جانور کی قربانی نہیں دے لوں گا۔ اس روایت کی بناء پر قاضی صاحب اس رائے کے حامی ہیں کہ حج تمتع کی صورت میں حاجی کو رمی جمار کے بعد قربانی کرنا چاہیئے اس کے بعد وہ احرام کھول سکتا ہے ۔ اپنی بات کی تائید میں وہ امام ابو حنیفہ ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کی آراء بھی نقل کرتے ہیں۔ بعض اہل علم یوم النحر سے قبل قربانی کے جواز کے قائل ہیں۔(۲) اس بحث سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے مطلق حکم کو حدیث صحیح کے ذریعہ مقید کیا جا سکتا ہے ۔

تفسیر مظہری کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ احادیث جب بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں تو ان کے درجات کی نشاندہی بھی کر دی جاتی ہے اور اگر سند میں کوئی ضعیف راوی موجود ہو تو اس کی بھی وضاحت کر دی جاتی ہے ،(۳) مصنف موصوف حدیث مرسل کو حجت تسلیم کرتے ہیں اور استنباط احکام میں مرسل احادیث سے بھی مدد لیتے ہیں۔(۴)

ملا جیون کی طرح قاضی ثناء اللہ بھی حنفی مدرسہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان کے ہاں زیادہ شدت نہیں ہے، بلکہ وسعت نظر سے کام لیتے ہوئے دیگر فقہاء کی آراء کو بھی بیان کرتے ہیں اور بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ مثلاً وہ درج ذیل آیت کی تشریح کرتے ہوئے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہت لطیف پیرایہ میں اختلاف کرتے ہیں :

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بہا الی الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (البقرہ ۲ :۱۸۸)

(اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس (اس طور سے) لے کر جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر ہڑپ کر جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو)

اس آیت کی روشنی میں قاضی صاحب عدالت کے فیصلوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عقود و نسوخ میں عدالت اگر ظاہری شواہد کی بناء پر غلط فیصلہ کر بیٹھے تو وہ فیصلہ صرف ظاہراً نافذ ہوگا باطناً نہیں، امام ابو حنیفہ کی اس مسئلہ میں رائے یہ ہے کہ فیصلہ ظاہراً و باطناً ہر طرح نافذ ہوگا ۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ ہے جس میں حضرت علی نے ایک خاتون سے فرمایا تھا کہ شاہداک زوجاک (ان دو گواہوں نے تمہارا نکاح کروا دیا ہے) واقعہ یوں تھا کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں خاتون سے مرا نکاح ہوا ہے اور وہ میری بیوی ہے ، اپنے دعوے کی تائید میں اس نے دو گواہ بھی پیش کر

دیئے، عدالت نے بھی گواہیوں کی بنیاد پر فیصلہ مرد کے حق میں کر دیا۔

جب فیصلہ ہوگیا تو خاتون نے حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ اب اگر عدالت نے فیصلہ کر ہی دیا ہے تو پھر میرا اس سے نکاح بھی کروا دیا جائے، اس پر حضرت علی نے فرمایا " شاهداك زوجاك" گویا اگر پہلے واقعی نکاح نہیں ہوا تھا تو اب ان گواہوں کی وجہ سے ہو گیا ہے۔(۵)

اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی رائے ، قاضی صاحب کے خیال میں، آیت مبارکہ کے مفہوم سے مطابقت نہیں رکھتی۔

قاضی صاحب اجماع کو ایک مضبوط دلیل کے طور پر قبول کرتے ہیں، تفسیر مظہری میں اجماع کی حجیت کے بکثرت حوالے ملتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی آیت: " فمن اضطر غير باغ ولاعاد فلا اثم عليه" (البقره ۲: ۱۷۳) (ہاں جو مجبور ہو، مگر نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے نہ ہی حد سے تجاوز کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے (اگر وہ حالت اضطرار میں مردار کھا لے۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اضطرار خواہ بھوک کی وجہ سے ہو یا اکراہ کی وجہ سے دونوں صورتوں میں بالاجماع مردار کھانا جائز ہے ،(۶) اجماع کی ایک اور مثال یہ ہے کہ :

اگر ایک ذمی دوسرے ذمی کو قتل کر دے تو بطور قصاص اس قاتل ذمی کو قتل کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ بھی ایسا ہے جس پر اجماع ہے، اسی طرح مریض اور مسافر رمضان المبارک کے روزے اپنی صحت اور اقامت تک موقوف کر سکتا ہے، صحت یابی اور اقامت کے بعد ان روزوں کی قضا کر لی جائے گی، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بعد میں روزوں کی قضاء تسلسل کے ساتھ ضروری ہے یا اس میں تسلسل ضروری نہیں، اس مسئلہ میں آیت کے اطلاق کو ملحوظ رکھتے ہوئے قاضی صاحب یہ رائے رکھتے ہیں کہ تسلسل ضروری نہیں ہے۔ اور اس پر فقہاء کا اجماع بھی ہے، قاضی ثناء اللہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں :

" وباطلاق الآية ثبت ان التتابع ليس بشرط فى القضأء و عليه انعقد الا جماع"(۷)

یہاں اہل علم کے لیے ایک نکتہ بیان کرنا دلچسپی کا باعث ہوگا۔ وہ یہ کہ قاضی ثناء اللہ صاحب مریض و مسافر کے لیے روزوں کی قضاء میں عدم تسلسل کے جواز پر اجماع کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ساتھ امام داؤد کی رائے بھی نقل کرتے ہیں، امام داؤد کی رائے یہ ہے کہ تتابع ضروری ہے ۔(۸) اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ایک یا دو چار افراد کے اختلاف سے اجماع کا انعقاد متاثر نہیں ہوتا، اس طرح انہوں نے ان فقہاء کی رائے سے بھی اختلاف کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک فقیہ بھی اختلاف کر لے تو اس مسئلہ پر اجماع منعقد نہیں ہوتا۔

بعض اوقات استنباط مسائل کے لیے قاضی صاحب قیاس و اجتہاد سے بھی کام لیتے ہیں، مثلاً قرآن کریم کی آیت مبارکہ :

" قال انى جاعلك للناس اماما" (البقرہ ۲ : ۱۲۴)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا ! اے ابراہیم میں تمہیں لوگوں کا امام بناؤں گا)

قاضی صاحب کی رائے میں امامت سے مراد منصب نبوت ہے یا ایسا منصب مراد ہے جو واجب الاطاعت ہو، محض حکومت و اقتدار یہاں مراد نہیں ہے ۔ اپنی رائے کی تائید میں قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں اور عقلی توجیہہ بھی پیش کرتے ہیں۔ اپنی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ آیت مبارکہ کے آخری حصہ کو بھی ذکر کرتے ہیں :

" قال لا ينال عهدى الظالمين " اللہ تعالیٰ نے فرمایا! میرا یہ عہد ان لوگوں کو شامل نہیں جو ظالم ہوں' اس آیت میں ظالم سے مراد فاسق ہے، چنانچہ اس حصہ سے وہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کو ثابت کرتے ہیں، ان کے نزدیک عصمت نبوت کے لیے

شرط ہے اور اس شرط پر علماء کا اجماع ہے ۔(۹)

قاضی ثناء اللہ صاحب اپنی رائے اور استدلال کو پیش کرتے ہوئے بہت محتاط انداز اختیار کرتے ہیں، مثلاً مسئلہ طلاق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : " **الطلاق مرتان** " (البقرہ ۲ :۲۲۹) میں عبارۃ النص کی دلالت اس بات پر ہے کہ طلاق ایک ساتھ نہیں بلکہ الگ الگ ہونی چاہیئے، اور اشارۃ النص عدد پر دلالت کر رہا ہے، اور الطلاق میں الف لام جنسی ہے لہذا قیاس اس بات کو متقاضی ہے کہ اکٹھی دو طلاقیں دی جائیں تو شرعاً ان کا اعتبار نہ کیا جائے، اور جب دو کا اعتبار نہیں تو تین طلاقوں کا بطریق اولیٰ اعتبار نہیں ہونا چاہیئے ، اس مسئلہ میں وہ فقہاء کے اختلاف کو بھی تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور بیک وقت تین طلاقوں کو حرام قرار دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی فرد اس عمل حرام کا ارتکاب کر لے تو وہ ارتکاب حرام کی وجہ سے گنہگار ہوگا مگر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اس لیے کہ ان کے موثر ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہے ۔(۱۰)

استنباط احکام میں قاضی ثناء اللہ صاحب جلب المصلحہ اور دفع الحرج کے اصولوں کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں، جہاں احکام پر عمل پیرا ہونے میں مشکل پیش آتی ہو وہاں سہولت کے پہلو کو ضرور بتاتے ہیں اور اس کی عملی صورت کی بھی وضاحت کرتے ہیں، مثلاً قرآن کریم میں حجاج و معتمرین کے لیے حکم ہے کہ : " **واتخذوا من مقام ابراہیم مصلّی** " (البقرہ ۲ :۱۲۵) (مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو) اس کی تفسیر کرتے ہوئے یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ بیت اللہ کے طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ وہ مقام ابراہیم میں پڑھی جائیں لیکن اس اندیشہ کے پیش نظر اس حکم پر عمل کرنے میں بعض حالات میں سخت مشکل پیش آ سکتی ہے تو یہ کہہ کر اس میں وسعت اور سہولت پیدا کر دی کہ حتی المقدور اس پر عمل کیا جائے اور اگر کسی موقعہ پر زیادہ اژدہام ہو، یا مقام ابراہیم پر نماز پڑھنا مشکل ہو جائے تو تمام مسجد بلکہ سارا حرم مصلی ہے، جہاں بسہولت جگہ ملے وہیں نماز پڑھ لی جائے۔(۱۱)

شرعی احکام کی بجا آوری میں انسانی مصلحت کو ملحوظ رکھنے کی ایک اور اہم مثال اس تفسیر میں ملتی ہے، اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ اگر انسانی مصلحت اور حق اللہ میں تصادم ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے حق کو ساقط کر دیتا ہے اور بندے کی مصلحت کو مقدم رکھتا ہے قرآن حکیم میں اہل ایمان کے لیے حکم ہے کہ : فادعوا الله مخلصين له الدين (المومن ۴۰ :۱۴) " اللہ تعالیٰ کو پکارو اس کی خالص اطاعت کے ساتھ " یہ آیت اور اس جیسی دیگر آیات کی رو سے اخلاص کا عبادت کے ہر ہر جز میں پایا جانا ضروری ہے، مثلاً اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو نماز کے ہر ہر رکن کی ادائیگی میں اخلاص کا پایا جانا واجب ہے، قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ تمام حرکات و سکنات میں اخلاص موجود ہونا چاہیئے ، یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اب اگر کسی وقت انسان کی توجہ ہٹ جائے اور اخلاص ایک وقفہ کے لیے منقطع ہو جائے تو نماز فاسد ہو جانی چاہیئے یہاں اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ عبادت کی حالت میں اخلاص مسلسل موجود رہنا چاہیئے اور کوئی حصہ اور کوئی عمل اخلاص کے بغیر ادا نہ ہو، دوسری طرف انسانی مصلحت کو دیکھا جائے تو انسان بڑی مشکل میں پڑ جائے گا اگر یہ کہا جائے کہ انسان کی توجہ ہٹ جانے کی صورت میں اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے، چنانچہ فقہاء نے بھی انسانی مصلحت کو حق اللہ پر مقدم رکھا ہے اور وہ غیر ارادی طور پر توجہ ہٹ جانے کی صورت میں نماز کو فاسد قرار نہیں دیتے ۔(۱۲)

قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری کے بعد نواب صدیق حسن خاں (متوفی ۱۳۰۷ھ) نے فقہی انداز پر تفسیر لکھی جو نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام کے نام سے شائع ہوئی ۔

نواب صدیق حسن خان انیسویں صدی عیسوی کے کثیر التصانیف معروف عالم دین ہیں۔ یہ دور انگریزی استعمار کا دور ہے، اس دور میں ہندوؤں کے اثرات بھی بڑھ گئے تھے، بعض علاقوں میں مسلمان بھی کم علمی اور جہالت کی وجہ سے تو ہم پرستی اور ہندوانہ رسوم و رواج کے زیر اثر آگئے تھے، اس لیے نواب صدیق حسن خان اپنی تصانیف میں شرک و بدعات اور غیر شرعی رسوم و رواج کے رد پر زیادہ زور دیتے ہیں۔

فقہی احکام کی طرف بھی انہوں نے توجہ دی ہے، لیکن اس میں وہ وسعت و گہرائی نہیں پائی جاتی جو دیگر فقہاء کے ہاں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ان کے نزدیک فقہی ماخذ و ادلہ صرف تین ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اجماع صحابہ، لہٰذا جو احکام ان تین ذرائع سے ثابت ہیں وہی واجب العمل ہیں[۱۳] استدلال و استنباط کے دیگر اصولوں کو وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

نواب صدیق حسن خان نے اپنی تفسیر میں تقریباً سوا دو سو آیات کا انتخاب کیا ہے جو ان کے خیال میں شرعی احکام سے متعلق ہیں، یہ کتاب ان ہی آیات کی تشریح و تفسیر پر مشتمل ہے۔ آیات احکام کو صدیق حسن دو قسموں پر تقسیم کرتے ہیں، پہلی قسم میں وہ آیات ہیں جن کا مدلول واضح ہوتا ہے لیکن بعض اوقات ایسی آیات بھی ہوتی ہیں جن کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے استدلال کی ضرورت پیش آتی ہے جیسے آیات وضوء و تیمم وغیرہ، دوسری قسم وہ آیات ہیں جن سے مخصوص مسائل کے استدلال کی صحت اور عدم صحت پر فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً قرآن حکیم کی آیت مبارکہ "لترکبوھا وزینہ" (النحل ۱۶:۸) (گھوڑے) " تمہاری سواری کے لیے ہیں اور تمہارے لیے زینت کا باعث ہیں" بعض فقہاء نے اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال نہ تو قطعی ہے نہ بالکل واضح۔[۱۴]

صدیق حسن خان آیات احکام کی تشریح کرتے ہوئے فقہاء اور مفسرین کی آراء بھی نقل کرتے ہیں، لیکن ان کے انداز بیان سے بسا اوقات یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے نزدیک کون سی رائے قابل ترجیح ہے، البتہ وہ یہ کوشش ضرور کرتے ہیں کہ آیت کی تشریح میں اگر کوئی حدیث موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے پھر جو رائے اس حدیث کے مطابق ہو اسے ترجیح دیتے ہیں، مثلاً اگر کسی مسلمان نے اسلامی مملکت میں غیر مسلم شہری کو قتل کر دیا ہے تو اس صورت میں فقہاء احناف اور امام سفیان ثوری کی رائے یہ ہے کہ مسلم قاتل کو غیر مسلم کے قصاص میں قتل کیا جائے گا، اس لیے کہ قرآن کریم میں حکم مطلق

ہے "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ ، الحر بالحر والعبد بالعبد" (البقرہ ۲ : ۱۷۸) " تم لوگوں پر مقتولوں کے بارے میں قصاص کا حکم دیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد کو اور غلام کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا" اسی طرح یہ آیت : ان النفس بالنفس (المائدہ ۵ : ۴۵) " جان کے بدلے جان" ، ان آیات میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی قید نہیں۔ صدیق حسن خان اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء کو بیان کرتے ہیں، جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا جمہور فقہاء کی دلیل یہ حدیث ہے کہ " لا یقتل مسلم بکافر " (مسمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا) جمہور فقہاء کے خیال میں اس حدیث سے قرآن کریم کی آیات کا مفہوم متعین ہو گیا ہے۔ صدیق حسن نے جمہور فقہاء کی رائے اور ان کی دلیل کو تو ذکر کر دیا ہے لیکن فقہاء احناف اور امامہ سفیان ثوری کے دلائل کو ذکر نہیں کیا، نہ ہی یہ بتایا کہ وہ حدیث مذکور کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔(۱۵)

صدیق حسن خان کے طرز استدلال کو سمجھنے اور شرعی مسائل میں ان کی رائے کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ایک مثال اور بیان کرنا ضروری ہے جس میں صدیق حسن رائے کو استعمال کرتے ہیں اور اپنے قائم کردہ تین اصولوں سے ہٹ جاتے ہیں، سورۃ النساء کی آیت : قالوا الم تکن ارض اللہ واسعة فتہا جروا فیہا" (النساء ۴ : ۹۷) (فرشتے ہجرت نہ کرنے والے) لوگوں سے کہیں گے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی سر زمین فراخ نہ تھی کہ تم وہاں ہجرت کرجاتے)۔ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ ہجرت ہر اس شخص پر فرض ہے جو ہجرت کرنے کی استطاعت رکھتا ہو اور دارالشرک میں رہائش پذیر ہو یا ایسے علاقہ میں رہتا ہو جہاں کھلم کھلا معاصی کا ارتکاب ہوتا ہو۔(۱۶)

اس آیت مبارکہ کی تشریح میں مصنف نے حکم کو عام رکھا ہے اس لیے کہ نص کے الفاظ بھی عام ہیں، یہاں انہوں نے اپنی رائے استعمال کرتے ہوئے دارالشرک کی اصطلاح استعمال کی ہے اسلام کے قانون بین الممالک میں دارالاسلام، دارالحرب دارالعہد

وغیرہ کی اصطلاحات تو ملتی ہیں لیکن دارالشرک کی اصطلاح صدیق حسن خان نے استعمال کی ہے ، ان کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مفسر کے نزدیک اگر کوئی خطہ شرک کا گہوارہ بن جائے تو وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہو جاتا ہے، اسی طرح ان خطوں اور علاقوں سے ہجرت کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے جہاں علی الاعلان بے باکی کے ساتھ معصیت کا ارتکاب ہوتا ہو۔

وہ آیات جن کے مفہوم میں بڑی وسعت ہوتی ہے اور جن سے بیک وقت شریعت کے بہت سے احکام مستنبط ہو سکتے ہوں۔ صدیق حسن انھیں امہات آیات میں شمار کرتے ہیں اور جو احکام اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں ان کی طرف وہ ضرور اشارہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر سورہ النساء کی آیت مبارکہ ہے :

"ان اللہ یامرکم ان تودو الامانات الی اھلہا" (النساء ۴ :۵۸)

(اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان لوگوں کے حوالے کر دو جو ان کے اہل ہیں"

یہ آیت مصنف کے خیال میں امہات الآیات میں سے ہے ۔ اس آیت میں بظاہر خطاب عام ہے لیکن حضرت علی اور زید بن اسلم کی روایت کے مطابق اس کے مخاطب مسلمان حکمران ہیں، یہاں مصنف موصوف آیت کے عموم ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مقام پر وہ ایک اصولی بحث بھی کرتے ہیں جو فقہی نقطہ نگاہ سے اہم ہے ، ان کے الفاظ یہ ہیں " ورودھا علی سبب لا ینا فی ما فیھا من العموم، فالاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص السبب" یعنی آیات مبارکہ کا کسی خاص پس منظر میں نازل ہونا حکم کی عمومیت کے منافی نہیں ہوتا، اس لیے اثبات احکام کے لیے عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے، کسی خاص سبب نزول کا اعتبار نہیں کیا جاتا، لہذا اس آیت کی رو سے تمام عہدے امانت ہیں، گواہی بھی ایک قسم کی امانت ہے، حتیٰ کہ خبریں بھی امانت ہوتی ہیں، ان سب میں دیانت داری اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔(۱۷)

صدیق حسن خان نے شرعی احکام کی وضاحت و تفسیر میں اپنے آپ کو قرآن و سنت اور اجماع صحابہ تک محدود رکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس تمام تر کوشش کے باوجود اپنے آپ کو ان تین اصولوں میں محدود نہیں رکھ سکے اور قیاس و رائے کو بھی استعمال کیا ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر اجتہاد کو اس کے وسیع تر مفہوم میں استعمال نہ کیا جائے تو فقہی ارتقاء جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔

صدیق حسن خان اجتہاد کو ایک اصول کے طور پر تسلیم کرتے ہیں، اسی لیے وہ عہدہ قضاء کے لیے اجتہاد کی شرط کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس لیے کہ نظم قضاء کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ معاشرہ میں عدل و انصاف قائم کیا جائے اور عدل و انصاف صحیح معنی میں وہی قائم کر سکتا ہے جو اجتہادی بصیرت رکھتا ہو، مقلد محض یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتا، لہذا قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمی اور فکری لحاظ سے اس قابل ہو کہ زیر غور مسائل میں اجتہاد کر سکے۔ (۱۸)

جس طرح عدلیہ کا نظام اجتہادی بصیرت و صلاحیت کے بغیر نہیں چل سکتا اسی طرح احکام کے استنباط و استدلال میں بھی اجتہادی بصیرت ضروری ہے لہذا استنباط احکام کو صرف تین اصولوں میں محدود نہیں کیا جا سکتا، اجتہاد کا تو بغاز ہی اس وقت ہوتا ہے جب قرآن و سنت خاموش ہوں۔

احکام القرآن کے موضوع پر بہت مبسوط اور جامع کام وہ ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کی زیر نگرانی فقہاء کی ایک کمیٹی نے انجام دیا ہے، حضرت تھانوی نے چار جیّد علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے ارکان یہ حضرات تھے :

مولانا ظفر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۹۴ء) و مولانا محمد ادریس کاندھلوی (متوفی ۱۳۹۴ھ)، مفتی محمد شفیع (متوفی ۱۳۹۶ھ) اور مفتی جمیل احمد تھانوی (متوفی)

چودھویں صدی ہجری میں برصغیر میں فقہ حنفی کے طرز استدلال پر اعتراضات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ فقہ حنفی کے دلائل اور اصول استنباط کو علمی انداز میں اجاگر کرنے کے لیے ابوبکر الجصاص (م ۳۷۰ھ) اور امام طحاوی (م ۳۲۱ھ) کی احکام القرآن کے طرز پر ایک مبسوط فقہی تفسیر مرتب کر دی جائے، جس میں احناف کے دلائل کو زیادہ بہتر علمی انداز میں پیش کر دیا جائے چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی کی زیر نگرانی یہ منصوبہ شروع ہوا۔ مولانا تھانوی خود وقتاً فوقتاً ضروری ہدایات فرماتے تھے اور نصوص قرآنی سے استدلال و استنباط سے متعلق جو دقیق نکات ان کے ذہن میں پیدا ہوتے تھے، انہیں باقاعدہ لکھوا دیا کرتے تھے جنہیں احکام القرآن میں شامل کر لیا جاتا۔ بہت سے فقہی نکات میں حضرت تھانوی کے حکیمانہ استدلال کی جھلک نظر آتی ہے اور بے شمار لطیف علمی نکات بھی جا بجا ملتے ہیں جن سے حضرت تھانوی اور ان کے طلبہ کی فقہی اور استدلالی قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نصوص قرآنی میں جو احکام و مسائل بیان ہوئے ہیں صرف ان کی وضاحت تک احکام القرآن کا کام محدود نہیں ہے۔ بلکہ استدلال و استنباط کا ایک سلسلہ شروع سے آخیر تک باقی رہتا ہے۔ دلالت و اشارات کے وہ پہلو سامنے آتے ہیں جو اس سے قبل اس انداز سے زیر بحث نہیں آئے تھے۔ اس میں ادلہ فقہیہ بھی زیر بحث آئے ہیں اور قواعد فقہیہ بھی اور شریعت کے ماخذ و مصادر پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

حدیث کی حجیت کے ضمن میں خبر واحد کی حجیت پر اچھی بحث کی گئی ہے، نیز احناف کے نزدیک خبر واحد کی قبولیت کا جو معیار ہے اس پر دلائل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔

اجتہاد بالرائے اور اس کے اسالیب پر متعدد آیات سے استدلال کیا گیا ہے، اس طرح فقہاء احناف کے دلائل کو علمی و منطقی انداز میں سامنے لایا گیا ہے۔ اجماع کی حجیت اور اس کی مختلف اقسام پر بھی بہت مدلل گفتگو کی گئی ہے، قرآن کریم کی آیات سے اجماع

کے دلیل ہونے پر اچھے استدلال کی مثالیں ملتی ہیں۔(۱۹)

قرآن کریم کی مختلف آیات سے بہت لطیف پیرایہ میں استدلال کر کے اجتہاد بالرائے کے مختلف اسالیب کو اجاگر کیا گیا ہے، ساتھ ہی ان حضرات کا رد بھی کیا ہے جو قیاس اور استحسان کو بطور دلیل قبول نہیں کرتے۔ مثلاً منکرین قیاس قرآن کریم کی اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں:

"واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا (آل عمران ۳ : ۱۰۳)"

ان کے نزدیک "لا تفرقوا" سے قیاس کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ قیاس و رائے سے اختلاف پیدا ہوتا ہے، اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح نہیں، اس لیے کہ اختلاف فی نفسہ نہ برا ہے، نہ ممنوع ہے، خود صحابہ کرام میں اختلاف کی مثالیں ملتی ہیں، فروعی مسائل میں ان کے اختلاف کی بہت سی مثالیں اس کتاب میں بیان کی گئی ہیں، مولانا عثمانی کی رائے میں اختلاف رائے محاسن شریعت میں سے ہے، البتہ اس قسم کے اختلافات مذموم سمجھے جاتے ہیں جن کی کوئی علمی بنیاد نہ ہو یا جو محض ہٹ دھرمی اور تعصب کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہوں اس لیے کہ اس قسم کے اختلافات امت میں باہم تفرقہ کی بنیاد بنتے ہیں۔(۲۰)

اس ضخیم کتاب میں احکام و مسائل کے ساتھ ساتھ اصول فقہ پر اس قدر مواد موجود ہے کہ اگر کوئی اہل علم اس سارے مواد کو علیحدہ جمع کر کے ترتیب دے دے تو اصول فقہ پر ایک مستقل و مدلل کتاب تیار ہو جائے گی۔

حوالہ جات

۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ، التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۶۶۲ (اشاعت العلوم ، ندوۃ المصنفین ، دہلی)

۲۔ قاضی ثناء اللہ ، التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۲۱۰

۳۔ التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۱۵۷

۴۔ التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۱۶۵

۵۔ التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۱۹۵

۶۔ التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۱۵۸۔ ۱۵۹

۷۔ تفسیر مظہری ، ج ۱ ، ص ۱۷۶، ۱۷۷

۸۔ ایضاً

۹۔ التفسیر المظہری ، ج ۱ ، ص ۱۱۵

۱۰۔ تفسیر مظہری ، ج ۱ ، ص ۲۷۸۔۲۸۰

۱۱۔ ایضاً ، ج ۱ ، ص ۱۱۷

۱۲۔ تفسیر مظہری ، ج ۱ ، ص ۱۱۷

۱۳۔ قاضی سعید اللہ ، لائف اینڈ ورک آف صدیق حسن خان (ایم اشرف ، لاہور ۱۹۷۳ء)، ص ۹۶

۱۴۔ نواب صدیق حسن خان، نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام ، ص ۱۷

۱۵۔ ایضاً ص ۱۷

۱۶۔ نیل المرام ، ص ۱۷۰۔۱۷۱

۱۷۔ ایضاً ص ۱۵۲

۱۸۔ نیل المرام ، ص ۱۵۳

۱۹۔ احکام القرآن (ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ ، کراچی) ، ج ۲ ، ص ۵۷

۲۰۔ احکام القرآن ، ج ۲ ، ص ۲۹ ، ۴۸ ، ۴۹